رحیم بخش سائیں

اقبال کا خطبۂ الہ آباد — منظر و پس منظر

"میری خواہش ہے کہ پنجاب ، صوبہ سرحد ، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے ، خواہ یہ ریاست سلطنتِ برطانیہ کے اندر حکومتِ خود اختیاری حاصل کرے ، خواہ اس کے باہر - مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی -"

یہ وہ الفاظ ہیں جنھوں نے بعد ازاں ''تصورِ پاکستان'' کا نام پایا اور اسی مناسبت سے علامہ اقبال کو مصورِ پاکستان کہا جاتا ہے ، کیونکہ یہ آپ ہی تھے جنھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ کو خطبۂ صدارت دیتے ہوئے ان الفاظ کے ذریعے مسلم ہندوستان کے نام سے ایک نئی اسلامی مملکت کے قیام کی تجویز پیش کی تھی - وہی اقبال جنھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں متحدہ ہندوستانی قومیت کا گیت گایا تھا ، جنھوں نے عقیدہ اور مذہب کی بنیاد پر فرق و امتیاز کی پُر زور مذمت کی تھی اور جغرافیائی حدود کو ہندوستانی قوم کی تشکیل میں فیصلہ کن عنصر قرار دیا تھا ، بالآخر اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکے کہ ہندو مسلم اتحاد ایک خیالِ خام ہے اور وطنی قومیت کا تصور غیر فطری اور انسانیت کے لیے تباہ کن ہے - قیامِ یورپ نے انھیں اگر وطنی قومیت کے تاریک پہلوؤں سے آشنا کیا اور اسلامی تعلیمات کی صداقت کا قائل کیا ، تو برِصغیر کی عہد بہ عہد تاریخ کے بغور مطالعہ اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ نے انھیں باور کرا دیا کہ متحدہ قومیت کا نعرہ ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تباہی کے لیے لگایا جا رہا ہے -

زوالِ مسلم - مسلمانوں نے برِصغیر پر ایک طویل مدت تک حکومت کی - ذاتی عیش و تنعم کی خواہش کی شدت نے آہستہ آہستہ انھیں اپنے نصب العین سے

غافل کر دیا ۔ کسی معاشرے کے لیے اپنے نصب العین کو فراموش کر کے زندہ رہنا ناممکن ہوتا ہے ۔ یہی صورتِ حال برِصغیر کے مسلم معاشرے کو بھی درپیش آئی ۔ مسلمانوں کی مرکزیت ، یک جہتی ، قوت و شوکت اور تہذیبی برتری رُو بہ زوال ہونے لگی ۔ انگریزوں نے موقع سے فائدہ اُٹھایا ۔ وہ تجارت کی آڑ میں برِصغیر کے در و بام پر مسلط ہونے لگے ۔ آزادی پسند قوتوں نے مزاحمت کی لیکن باہمی افتراق ، غداریوں اور غفلت شعاریوں نے ایک نہ چلنے دی ۔ ۱۸۵۷ میں جنگِ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست نے ثابت کر دیا کہ اب اندرونِ ملک کوئی شخصیت یا گروہ ایسا نہیں جو بیرونی حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے ۔ انگریزی یلغار کا روکنا اب کسی حکمران کے بس میں نہیں رہا تھا ۔ اس کے باوجود شیرِ میسور فتح علی ٹیپو نے انگریزوں کو للکارا ، لیکن اپنوں کی غداریوں کے سبب ٹیپو سلطان کو شکست سے دوچار ہو کر جامِ شہادت نوش کرنا پڑا ۔

جنگِ آزادی ، ۱۸۵۷ ۔ پے در پے شکستوں کے باوجود مسلمان حریت پسند تھک ہار کر نہیں بیٹھے ۔ انھوں نے مختلف مورچوں اور محاذوں پر دادِ شجاعت دی ۔ ملی احیا کے لیے ایک طرف علما اور دانش وروں نے تحریکوں کی داغ بیل ڈالی تو دوسری طرف انگریزی حکومت کے خلاف مجاہدانہ سرگرمیوں کی سرپرستی بھی کی ۔ ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی بھی ہندوستانی مسلمانوں کی مجاہدانہ روش ہی کا ایک اظہار تھی جس میں مسلمانوں نے مقامی آبادیوں کے دوسرے عناصر کو بھی ساتھ ملانے کی کامیاب کوشش کی ۔ آزادی پسند قوتوں کو بظاہر اس جنگ میں شکست ہوئی اور انگریزوں نے بھی اس جنگ کے سرگرم قائدین خصوصاً مسلمانوں سے خوب خوب انتقام لیا ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اب انگریزی سرکار کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی ہے اور وہ زیادہ عرصے تک اس ملک کو اپنی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ نہ بنا سکیں گے ۔

کانگریس اور مسلمان ۔ طویل اور جانکاہ جد و جہد کے باوجود انگریزی حکومت اپنے خلاف ان سرگرمیوں کو مکمل طور پر کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکی ۔ البتہ ۱۸۵۷ کے بعد آزادی کا قافلہ اکثر و بیشتر قانونی جنگ کی طرف مائل ہو گیا ۔ بغاوت فرو کرنے کے بعد برطانوی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر کے ہندوستان کا نظم و نسق براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ ایک وزیرِ ہند مقرر کیا گیا جس کی مدد کے لیے ایک کونسل تشکیل دی گئی ،

مگر ابھی تک ہندوستانیوں کو حکومت کے معاملات میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۸۶۱ میں ایک قانون کے ذریعے مرکزی مجلسِ قانون ساز کے ارکان کی تعداد بارہ کر دی گئی جن میں سے چھ غیر سرکاری تھے۔ ۱۸۶۲ میں پہلی مرتبہ تین ہندوستانیوں کو کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔ بمبئی، مدراس اور بنگال کے صوبوں کو بھی یہی حق دیا گیا۔ اس طرح پہلی بار حکومت اور قانون سازی کے امور میں مقامی باشندوں کی نمائندگی کا سوال پیدا ہوا۔ اس نمائندگی کو موثر بنانے اور حکومت اور مقامی آبادی میں مفاہمت پیدا کرنے کے لیے انڈین سول سروس کے ایک ریٹائرڈ رکن مسٹر اے۔ ڈبلیو۔ ہیوم نے اس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ڈفرن کے اشارے پر ۱۸۸۵ میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ مسلمان بوجوہ اس نیم سیاسی جماعت میں شرکت کرنے سے قاصر تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس غیر ہندو اقوام خصوصاً مسلمان کے خلاف گہری سازش کی ایک کڑی تھی۔ اس کی رُو سے ہندوستان کی تمام آبادی ایک قوم تھی، لہٰذا منطقی طور پر نمائندہ سیاسی جماعت بھی ایک ہی ہونا چاہیے لیکن سید احمد خان نے اس تصوّر کی شدید مخالفت کی۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو عملی سیاست سے دُور رہنے کا مشورہ دیا اور کانگریس میں شرکت سے روکا۔ دوسری طرف اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھیں اور حصولِ تعلیم پر توجہ دیں۔ نیز ان معاشرتی برائیوں سے نجات حاصل کریں جو عہدِ زوال میں ان کے اندر راہ پا چکی تھیں۔ اُنھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ انجمنیں قائم کیں جن کا مقصدِ وحید مسلمانوں کی سماجی رہنمائی اور اُنھیں مستقبل کے احتجاجی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنانا تھا۔

ملّی بیداری۔ سیّد احمد خان اور اُن کے عظیم رفقائے کار محسن الملک، وقارالملک، شبلی، حالی اور نذیر احمد وغیرہم کی مسلسل اور پُرخلوص کوششوں کے نتیجے میں مسلمان سالہا سال کی گہری نیند سے بیدار ہونے لگے۔ ان میں ملی تنظیم اور قومی حقوق کے حصول کی اُمنگ پیدا ہونے لگی۔ ان کی تعمیری جد و جہد کو عالمِ اسلام کی اس مجموعی فضا سے بھی تقویت ملی جو آزادی و حریت اور سامراج دشمنی کے جذبات سے حرارت انگیز تھی۔ برِصغیر میں یہ جد و جہد اس وقت ایک خاص، بلکہ یوں کہنا چاہیے، انقلابی مرحلے میں داخل ہوگئی جب بنگال کی تقسیم کا اعلان ہوا۔

تقسیمِ بنگال۔ ۱۹۰۵ میں انگریزی حکومت نے بعض انتظامی وجوہات کی

بنا پر بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ مشرقی بنگال اور آسام کو ملا کر جو صوبہ بنا اس کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا ۔ دوسرا حصہ جو مغربی بنگال پر مشتمل تھا اس کا صدر مقام کلکتہ قرار پایا ۔ چونکہ مشرقی بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے اور انہیں کسی حد تک ہندو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے چنگل سے آزادی مل رہی تھی اس لیے مسلمانوں نے اس تقسیم پر بے حد مسرت کا اظہار کیا ۔ اس سے انہیں اپنی اہمیت کا پہلی مرتبہ احساس ہوا ۔ انہوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کا آغاز کر دیا ۔ اسی احساس کے تحت اُنہوں نے آغا خان کی سرکردگی میں ممتاز مسلم رہنماؤں کا ایک وفد ترتیب دیا جس نے وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ کو شملہ میں ملاقات کی ۔ وفد نے جداگانہ انتخاب اور تمام منتخب اداروں میں مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں میں اضافہ کا مطالبہ کیا ۔ وائسرائے نے یہ مطالبات منظور کر لیے ۔

مسلم لیگ کا قیام ۔ تقسیم بنگال پر ہندو بہت بھنّائے ۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے اور پھلتے پھولتے نہ دیکھ سکتے تھے ۔ انہوں نے زبردست احتجاج شروع کر دیا ۔ کانگریس بھی اس احتجاج کی حمایت کرنے لگی ۔ مسلم رہنماؤں نے کانگریس کے زعما کو حقیقتِ حال کا شعور دلانے کی کوشش کی لیکن بے سود ۔ اس پر مسلمانوں میں ایک جداگانہ قومی تنظیم کے قیام کا احساس شدت اختیار کر گیا ۔

دسمبر ۱۹۰۶ میں مسلم رہنماؤں کا ایک اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ۔ لیگ کے قیام کا بڑا مقصد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ نیز حکومت کو مسلمانوں کی ضروریات اور جذبات سے آگاہ کرنا تھا ۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ کو مسلم لیگ نے اپنے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ میں حکومت پر زور دیا کہ وہ شملہ وفد کی طرف سے پیش کیے گئے مطالبات منظور کرے ۔ انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۰۹ میں منٹو مارلے اصلاحات کے تحت جو قانون بنا اس میں جداگانہ انتخاب کی توثیق کر دی گئی ۔ کانگریس نے اس پر بھی بہت بُرا منایا ۔ وہ کسی صورت میں مسلمانوں کو مسرور نہ دیکھ سکتی تھی ۔ دوسری طرف مسلمان تقسیمِ بنگال اور جداگانہ انتخاب کے مطالبے کی منظوری پر خوش تھے ۔ لیکن یہ خوشی تا دیر قائم نہ رہ سکی ۔ تمام یقین دہانیوں کے باوجود ۱۹۱۱ میں حکومت نے اچانک تقسیمِ

بنگال کی منسوخی کا اعلان کر دیا ۔ اس اعلان سے مسلمان مبہوت رہ گئے اور آخرکار وہ اس حقیقت کو پا گئے کہ انگریزی حکومت پر بھروسہ کرنا نادانی ہے ۔ لہٰذا مسلم لیگ نے اس عزم کا اعلان کیا کہ وہ ایسی حکومتِ خود اختیاری کے لیے جدو جہد کرے گی جو ہندوستان کے حالات کے موافق ہو ۔

ہندو مسلم اتحاد ۔ اس دور کی ہندوستانی سیاست کو طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے بھی متاثر کیا ۔ یہ علاقے ترکی سلطنت میں شامل تھے ۔ مغربی طاقتیں ترکی سلطنت کی قوت سے خائف تھیں ۔ اس لیے انھوں نے انگریزوں کی حمایت سے ترکیہ کو کمزور کرنے کی گہری سازش کی ۔ ہندوستانی مسلمان جو انگریزی سیاست سے پہلے ہی بد دل ہو چکے تھے اس صورتِ حال سے بے حد پریشان ہوئے ۔ وہ ترکیہ کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ ۱۹۱۳ میں کانپور میں مسجد کی شہادت کا سانحہ پیش آیا اور انگریزی جبر و تشدد کے نتیجے میں کانپور کے مسلمانوں کے زخمی ہونے اور جامِ شہادت نوش کرنے کی اطلاع ملی جس کے نتیجے میں پورے ملک میں انگریز حکومت کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ۔ کچھ عرصہ بعد جنگِ عظیم اوّل شروع ہو گئی ۔ ترکیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا ۔ انگریزوں نے ترکی سلطنت کو تباہ کرنے کے لیے ترکیہ کے عرب علاقوں میں بغاوت کو ہوا دی ، ہندوستانی مسلمانوں کو ترکیہ کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور کیا اور برِصغیر کے مسلم رہنماؤں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی ۔ اس سے آزادی کے جذبات کی شدت میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا گیا ۔ اس صورتِ حال نے ہندو مسلم اقوام کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا ۔

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات ۔ پہلی مرتبہ مسلم لیگ اور کانگریس نے ایک ہی جگہ لکھنو میں اجلاس کیے ۔ دسمبر ۱۹۱۴ میں دونوں جماعتیں ایک مشترکہ منصوبے پر رضامند ہوگئیں جسے بعد میں "میثاقِ لکھنو" کا نام دیا گیا ۔ اس میں قانون ساز اسمبلی میں انتخاب اور نشستوں کی تقسیم کے اصولوں پر مفاہمت کا عزم کیا گیا ۔ کانگریس نے مسلمانوں کے جداگانہ وجود کو تسلیم کر لیا ۔ "میثاقِ لکھنو" سے جہاں ہندو مسلم مفاہمت کے امکانات روشن ہوئے وہاں انگریزی حکومت پر گھبراہٹ طاری ہوگئی ۔ اس نے ملکی صورتِ حال پر مکمل قابو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے لیڈروں کو گرفتار کر لیا ۔ اس کے ساتھ ہی وہ عوام کو طفل تسلیاں دینے میں بھی مصروف رہی ۔ ۱۸ اگست ۱۹۱۷ کو حکومت نے ایک شاہی اعلان کے ذریعے برِصغیر کو

درجۂ مستعمرات (Dominion Status) دینے کا اعلان کیا ۔ ایک ذمہ دار حکومت کے اصول پر رضامندی کا اظہار کیا ۔ یہ گویا کامل درجۂ مستعمرات (Dominion Status) کی طرف پہلا قدم تھا ۔ اس اعلان کے فوراً بعد سیکرٹری برائے حکومت ہند ، ایڈون مانٹیگو (Edwin Montagu) ہندوستان آئے اور اُنھوں نے گورنر جنرل لارڈ چیمسفورڈ (Lord Chelmsford) کے ساتھ مل کر ایک رپورٹ تیار کی جو ۱۹۱۸ میں شائع ہوئی ۔ اس رپورٹ کی اکثر سفارشات ۱۹۱۹ کے ایکٹ میں شامل کر لی گئیں ، لیکن یہ کوشش بھی ہندوستانیوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہی ۔

تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات ۔ ۱۹۱۹ میں حکومت نے مخالفانہ سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے رولٹ ایکٹ (Rowllatt Act) نافذ کیا جس کے تحت انتظامیہ کو بے اِنتہا اختیارات بخش دیے گئے تھے ، ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں ایک اجتماع پر جنرل ڈائر (Dyre) نے بغیر کسی پیشگی تنبیہ کے گولی چلا دی جس سے عوام کا شدید جانی نقصان ہوا ۔ عوامی ردِعمل سے بچنے کے لیے پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا ، لیکن مخالفانہ جذبات کو دبایا نہ جا سکا ۔ گاندھی نے اس حالت سے فائدہ اُٹھانا چاہا ۔ لہٰذا اُنھوں نے ۱۶ اپریل ۱۹۱۹ کو مکمل ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا ۔ ترکیہ کے خلاف مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف پہلے ہی احتجاج جاری تھا ۔ اس حادثے سے احتجاج کی لے میں زبردست شدت پیدا ہوگئی ۔ چنانچہ خلافت تحریک کا آغاز ہوا اور ترکِ موالات کی طرح ڈالی گئی ۔

۱۹۲۲ میں ترکیہ کو ''جمہوریہ'' بنا دیا گیا اور دو سال کے بعد مارچ ۱۹۲۴ میں مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا ۔ اس سے تحریکِ خلافت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ۔ اس وقت مسلمان شدید مایوسی اور پریشانی میں مبتلا تھے ۔ مسلم رہنماؤں پر سے ان کا اعتماد اُٹھ چکا تھا ۔ ہندو مسلم اتحاد عارضی ثابت ہوا ۔ پورے ملک میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے ۔ جن ہندو رہنماؤں پر مسلمانوں نے بھروسہ کیا تھا انھوں نے اپنی قوم کی اشتعال انگیزیوں کی مذمت کرنے سے انکار کر دیا ۔

نہرو رپورٹ ۔ ۱۹۲۷ میں حکومت کو نازک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ۔ اندرونِ ملک آزادی کی تحریک جاری تھی اور بیرونِ ملک برطانیہ اور روس کے اختلافات شدت اختیار کر رہے تھے ۔ اس پر برطانوی حکومت نے نومبر ۱۹۲۷ میں سر جان سائمن (Simon) کی زیرِ کردگی ایک شاہی کمیشن

مقرر کیا جسے ضروری اصلاحات کے لیے رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ۔ کانگریس اور مسلم لیگ کا وہ حصہ جو مسٹر جناح کے ساتھ تھا کمیشن سے تعاون کرنے کے خلاف تھا اس بات کا حامی تھا کہ حکومتِ برطانیہ کے رُوبرو اپنے مطالبات کا متفقہ منصوبہ پیش کریں ۔ اس مقصد کے لیے دہلی میں ایک آل پارٹیز کانفرنس دسمبر ۱۹۲۷ ۔ میں منعقد ہوئی جس میں پنڈت موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ذمے قانونی اصلاحات کی رپورٹ پیش کرنا تھا ۔

اس کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی وہ بعد ازاں ''نہرو رپورٹ'' کے نام سے موسوم ہوئی ۔ اس میں کامل ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا ۔ کمیٹی نے شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کے لیے مکمل صوبائی مرتبہ کے علاوہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے اسے ایک نئے صوبے کی حیثیت دینے کی سفارش بھی کی ۔ کمیٹی نے مشترکہ انتخابات کی تجویز اس شرط کے ساتھ پیش کی کہ اقلیت کے لیے آبادی کے تناسب سے نشستیں محفوظ ہوں گی اور اقلیت کو مزید نشستوں کے لیے بھی انتخابات میں حصہ لینے کا حق ہوگا ۔ رپورٹ کی رُو سے بنگال اور پنجاب میں کسی بھی فرقے کے لیے نشستیں محفوظ نہ ہوں گی ۔ اس تجویز کا مطلب واضح ہے کہ ہندو ان صوبوں میں مسلمہ مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے پر تُلے ہوئے تھے ۔ کمیٹی نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ مرکزی حکومت جس میں لازماً ہندو اکثریت کا غلبہ ہوتا مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے مطابق صوبوں پر اپنا تسلط قائم رکھے گی ۔ باقی ماندہ اختیارات جن کی وضاحت نہ کی گئی ہو مرکز کے پاس رہیں گے ۔ دسمبر ۱۹۲۸ میں ''نہرو رپورٹ'' پر غور و خوض کے لیے کلکتہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد ہوئی ۔ اس میں محمد علی جناح نے مسلم حقوق کے مستقل تحفظ کے لیے تین اہم ترامیم پیش کیں ۔ لیکن ان میں سے ایک ترمیم بھی قبول نہ کی گئی ۔ قائدِ اعظم اور ان مسلم زعما کے لیے کانگریس کا رویہ انتہائی مایوس کن تھا جو ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے آزادی کی منزل قریب لانے کے آرزومند تھے ۔

مسلم کانفرنس ۔ سائمن کمشن سے عدم تعاون اور نہرو رپورٹ کے بارے میں ہمدردانہ روش اختیار کرنے کی بنا پر علامہ اقبال اور بعض دوسرے مسلم رہنما قائدِ اعظم محمد علی جناح کی رہنمائی پر متفق نہ تھے ۔ ان میں سر فضل حسین اور سر محمد شفیع لائق ذکر ہیں ۔ ان لوگوں کے خیال میں ''نہرو رپورٹ'' کی سفارشات مسلمانوں کے مفاد کے صریحاً خلاف تھیں ، اس لیے اسے مسترد کر دینا انتہائی ضروری

تھا ۔ سر فضل حسین اور مذکورہ زعما نے ''نہرو رپورٹ'' کے خطرناک نتائج کی پیش بندی کے لیے ''آل پارٹیز مسلم کانفرنس'' کی داغ بیل ڈالی جو دسمبر ۱۹۲۸ کے آخری ہفتے میں دہلی میں منعقد ہوئی ۔ اس عظیم الشان کانفرنس کی صدارت آغا خان نے کی ۔ کانفرنس تین دن جاری رہی اور متعدد اہم فیصلے کیے گئے ۔ کانفرنس نے وفاقی طرزِ حکومت اور جداگانہ انتخابات کے اصول پر اصرار کیا تھا ۔ جناح مسلم لیگ نے شروع میں مسلم کانفرنس میں شرکت گوارا نہ کی ، لیکن آخر کار اُسے بھی مسلم کانفرنس کے وجود کی اہمیت تسلیم کرنا پڑی ، کیونکہ ''نہرو رپورٹ'' میں مسلمانوں کی طرف سے تجویز کی گئی ترامیم کو مسترد کر دیا گیا ، اس لیے جناح لیگ کو بھی ''نہرو رپورٹ'' کی حمایت سے دست کش ہونا پڑا ۔ یہی وہ پس منظر تھا جس کی بنا پر قائدِاعظم محمد علی جناح نے اپنے مشہور چودہ نکات مرتب کیے ۔ ان نکات میں وہ فیصلے بھی شامل تھے جو مسلم کانفرنس قبل ازیں کر چکی تھی ۔

میثاقِ دہلی ۔ اکتوبر ۱۹۲۹ میں وائسرائے لارڈ اروِن (Lord Irwin) نے برطانیہ کی مقتدر جماعت ''لیبر پارٹی'' کے مشورے سے ایک اعلان کیا جس میں ملکِ معظم کی طرف سے ہندوستان کو درجۂ مستعمرات (Dominion Status) دینے کے وعدے اور ہندوستان کی آبادی کے مختلف حصوں میں مفاہمت کے لیے گول میز کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی گئی تھی ۔ اس اعلان کو عام طور پر سراہا گیا ، لیکن کانگریس نے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا ، کیونکہ برطانوی حکومت نے ''نہرو رپورٹ'' پر عمل درآمد نہیں کیا تھا ۔ ۱۹۳۰ کے آغاز میں کانگریس نے گاندھی کی قیادت میں عام سول نافرمانی کی دھمکی دے دی ۔ چونکہ کانگریس کے رویے سے مسلمان پہلے ہی بیزار ہو چکے تھے ، اس لیے وہ اس نافرمانی کی تحریک سے الگ تھلگ رہے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے اندر اندر تحریک کا زور ٹوٹ گیا اور گاندھی گرفتار ہوئے ۔ ادھر گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس (۱۲ نومبر ۱۹۳۰ تا ۱۹ جنوری ۱۹۳۱) ختم ہو چکا تھا اور حکومتِ برطانیہ دوسرے اجلاس کی تیاری میں مصروف تھی ۔ اس نے مناسب سمجھا کہ کانگریس کو بھی کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کرے ۔ اس لیے وائسرائے لارڈ اروِن نے گاندھی جی کو رہا کر دیا ۔ گاندھی جی نے رہا ہونے کے بعد وائسرائے سے ملاقات کی جس کے نتیجے میں حکومت اور گاندھی کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آیا جسے ''میثاقِ دہلی'' یا ''گاندھی اروِن پیکٹ'' کہا جاتا ہے جس کی رُو سے کانگریس کو بعض مراعات کے عوض تحریک سول نافرمانی کے خاتمے اور

گول میز کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہونا پڑا ۔

گول میز کانفرنس ۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ کو پہلی گول میز کانفرنس لندن میں شروع ہوئی ۔ متعدد ہندوستانی رہنماؤں نے اس میں شرکت کی ۔ چونکہ کانگریس نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا ، اس لیے تبادلۂ خیالات کے باوجود کانفرنس متعدد امور پر غور اور واضح موقف اختیار نہ کر سکی ۔ تاہم کانفرنس نے درجۂ مستعمرات ، ذمہ دار حکومت اور وفاقی طرزِ حکومت کے مطالبات کی تائید کا اعلان کیا ۔

مسلمانانِ ہند کی کس مپرسی ۔ آئندہ چند سال ہندوؤں نے اپنی تجربہ کار اور جہاں دیدہ سیاسی قیادت کی رہنمائی میں اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے میں صرف کر دیے ۔ اُنھوں نے ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کی قوت کو منتشر کرنے کی کوشش کی ۔ خصوصاً معاشی اور سیاسی برتری ان کا مطمحِ نظر تھی ۔ وہ ہزاروں سال میں ایک مرتبہ بھی سارے ہندوستان پر اپنا تسلط نہ جما سکے تھے ، لیکن چالیس پچاس سال کی سیاسی جد و جہد نے ان کی سیاسی تربیت میں اہم کردار ادا کیا تھا ۔ اس تربیت کے بل بوتے پر اب وہ دوسری قوموں کو دبانے اور پورے ہندوستان پر ہندو راج کے قیام کے سہانے خواب دیکھ رہے تھے ۔ برطانوی استعمار ہر طرح ان کی پشت پناہی کر رہا تھا ۔ دوسری طرف مسلمان اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہے تھے ۔ وہ سیاسی قوت سے محروم ہو چکے تھے ، حکومت ان کے در پے آزار تھی ، ان کی جد و جہد مختلف مرحلوں پر ناکامی سے دوچار ہو چکی تھی ، اپنی قیادت پر سے ان کا اعتماد ختم ہو چکا تھا ، ان کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا ، چھوٹے چھوٹے سیاسی گروہ وجود میں آ چکے تھے جو باہم دست و گریباں تھے ۔ مخلص اور ذہین سیاست دان مایوس ہو رہے تھے ۔ قائدِ اعظم بھی انگلستان چلے گئے اور بد دل ہو کر وہیں رہائش پذیر ہو گئے تھے ۔ اُنھوں نے ہندوستان آنے کا خیال ہی اپنے دل سے نکال دیا تھا ۔ وہ لندن میں پریوی کونسل میں وکالت کرنے لگے ۔ ان کی غیر موجودگی میں مسلم لیگ کا ڈھانچہ تو برقرار تھا لیکن روحِ عمل مفقود تھی ۔ اس طرح نہ صرف مسلم لیگ کا وجود خطرے میں پڑ چکا تھا بلکہ خود مسلمانانِ ہند زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو چکے تھے ۔ اس عالم میں اقبال ہی کی شخصیت تھی جو برِ صغیر کے مسلمانوں کے لیے اُمید کا سورج بن چکی تھی ۔ ۱۹۲۴ سے لے کر ۱۹۳۸ تک اقبال نے اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑی ۔ انھوں نے ایک طرف مسلمانوں کے اجتماعی شعور کو بیدار کیا ، انھیں باطل نظریات کی یلغار کے خلاف متحد کیا اور وطنیت و قومیت کے غیر اسلامی تصوراتِ

سے نجات حاصل کرنے پر آمادہ کیا ، اور دوسری طرف سیاسی سطح پر قیادت کے خلا کو پُر کرنے کی سعی کی ۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اگر اس دور سے علامہ اقبال کی شخصیت کو نکال دیا جائے تو جد و جہد آزادی کی ایک اہم کڑی غائب ہو جاتی ہے ۔ اُنھوں نے مایوس مسلمانوں کے سینوں کو نہ صرف جینے کی آرزو کی شمع سے روشن کیا بلکہ ان میں باقی رہنے کی اُمید آگے بڑھنے کی اُمنگ ، مخالف قوتوں سے ٹکرا جانے کا جذبہ اور دنیا پر چھا جانے کا ولولہ بھی پیدا کیا ۔

اقبال کی سیاسی خدمات ۔ اقبال فطرتاً ایک شاعر تھے ۔ سیاست کی خار زار اور پُر پیچ راہیں انھیں اپنی طرف کھینچ نہ سکیں ۔ اس کے باوجود وہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی مسلمانانِ عالم کی سیاسی جدوجہد سے لاتعلق نہیں ہوئے ۔ اس دور میں اُنھوں نے مسلم سیاست کا محض مطالعہ کیا تھا لیکن وہ دور بھی آ گیا جب انھیں عملاً وادیٔ سیاست میں قدم رکھنا پڑا ۔ ۱۹۲۶ میں آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کو صوبائی مجلس قانون ساز کی رکنیت کا انتخاب لڑنے پر آمادہ کیا جس میں آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے ۔ آپ نے اپنے دورِ رکنیت میں متعدد عوامی مسائل کے حل کے لیے کوشش کی ۔ اگرچہ آپ کا تعلق اکثر و بیشتر صوبہ پنجاب کی سیاست سے رہا لیکن آپ ان سیاسی تبدیلیوں سے بھی کسی لمحے غافل نہیں رہے جو برِصغیر میں پے در پے رونما ہو رہی تھیں ۔ اس دور میں تحریک سول نافرمانی کے خاتمے پر ملک بھر میں بڑے پیمانے پر مسلم دشمن تنظیمیں وجود میں آ رہی تھیں ۔ آپ نے اپنے دوست میر غلام بھیک نیرنگ کے ساتھ مل کر انجمن تبلیغِ اسلام کو منظم کیا ۔ دوسری طرف سیاسی سطح پر جب چوٹی کے مسلمان رہنما بعض شرائط کے ساتھ مخلوط انتخاب قبول کرنے پر آمادہ تھے تو آپ نے پُر زور مخالفت کی ۔ ۱۹۲۸ میں جب مسلم لیگ جناح اور شفیع دھڑوں میں تقسیم ہوئی تو علامہ اقبال شفیع لیگ کے سیکرٹری منتخب ہوئے ۔ یہ لیگ سائمن کمشن سے تعاون پر آمادہ تھی ۔ شفیع لیگ نے سائمن کمشن کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے یادداشت مرتب کرنے کے لیے جو کمیٹی مقرر کی اس میں اقبال بھی شامل تھے ۔ لیکن انہی دنوں آپ بیمار ہوگئے ۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ یادداشت میں کامل صوبجاتی خود مختاری کا مطالبہ شامل نہیں کیا گیا تو آپ نے ۲۳ جون ۱۹۲۸ کو لیگ کی سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا ۔ اس پر مذکورہ یادداشت میں ترمیم کی گئی ، تو اقبال نے استعفیٰ واپس لے لیا ۔ ۵ نومبر ۱۹۲۸ کو مسلم لیگ کا جو وفد سائمن کمیشن کے سامنے پیش ہوا اس

میں اقبال بھی رکن کی حیثیت سے شامل تھے ، لیکن سر محمد شفیع اس وفد کے قائد تھے ۔ بعض امور کی وضاحت میں ڈاکٹر اقبال نے بھی حصہ لیا ، البتہ زیادہ تر گفتگو سر شفیع ہی نے کی ۔ مسلم لیگ کی نمائندگی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سائمن کمیشن جداگانہ انتخاب کو برقرار رکھنے پر آمادہ ہو گیا ۔ کمیشن نے لیگ کے اس مطالبے کو تسلیم نہیں کیا کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمائندگی ان کی آبادی کی بنیاد پر ہو ، لیکن اس نے یہ رائے ضرور دی کہ میثاق لکھنو میں ہندو مسلمانوں کی نشستوں کے تعین کو ختم کر دیا جائے ۔ البتہ مسلمانوں کو جو پاسنگ دیا گیا ہے برقرار رکھا جائے ۔ لیگ نے مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے تینتیس فی صد نمائندگی کا مطالبہ کیا تھا ۔ کمیشن نے اٹھائیس فی صد پر رضامندی کا اظہار کیا ۔ لیگ نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ ایسا مسودۂ قانون جس کا تعلق کسی مذہب سے ہو اس وقت تک منظور نہیں کیا جائے گا جب تک متعلقہ مذہب کے ماننے والے گروہ کے تین چوتھائی اراکین اس کے مخالف ہوں ۔ کمیشن کی رائے تھی کہ ایسا مسودۂ قانون گورنر کی اجازت کے بغیر مجلس قانون ساز میں پیش نہ ہو ۔ علامہ اقبال نے مکمل صوبجاتی خود مختاری پر خاص زور دیا تھا ۔ کمیشن نے بھی اس رائے کو اہمیت دی اور سفارش کی :

''ہر صوبے کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے گھر کا مالک بنایا جائے ۔''

اپر انڈیا مسلم کانفرنس ۔ اس تمام جدوجہد کے باوجود اقبال مطمئن نہیں تھے ۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایک انتہائی نازک مرحلے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔ انگریز اور ہندو مل کر انھیں ملیامیٹ کرنے کی فکر میں ہیں اور وہ سادہ دل مسلمان رہنما ان کے عزائم سے بے خبر ہیں ۔ مسلم حقوق کے تحفظ کی طویل جدوجہد کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی ۔ سندھ کا علاقہ بمبئی میں شامل تھا ۔ سرحد اور بلوچستان آئینی اصلاحات سے محروم تھے ۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی واضح اکثریت کو ہیر پھیر کے ذریعے اقلیت بنانے کی سعیٔ ناروا کی جا رہی تھی ۔ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے انھیں اپنی آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی دے کر بہلانے کی کوشش کی گئی ، حالانکہ اس طرح ان کی اقلیت اقلیت ہی رہتی تھی ۔ دوسری طرف مسلم دشمنی کا مظاہرہ یوں کیا گیا کہ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے ان میں غیر مسلم آبادی کو تناسب سے زیادہ نمائندگی دی گئی جس سے مسلم اکثریت بے معنی ہو کر رہ جاتی تھی ۔ اس طرح ایک طرف مرکز پر ہندوؤں کا غلبہ ہو جاتا اور دوسری طرف کوئی صوبہ ایسا نہ ہوتا جہاں مسلمان اطمینان سے حکمرانی

کر سکتے ۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمانوں کی کس مپرسی کا سلسلہ حسب دستور جاری رہتا ۔ اقبال وہ واحد رہنما تھے جو اس صورت حال کی نزاکت اور سنگینی سے مکمل طور پر آگاہ تھے ۔ آپ نے مسلم صحافیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رائے عامہ کو ہموار کریں اور دوسری طرف آپ نے شمالی ہند کے مسلمانوں کی کانفرنس کی تجویز پیش کی جسے بعد ازاں آپ انڈیا مسلم کانفرنس کا نام بھی دیا گیا ۔ ہندوؤں کی ہٹ دھرمی ، برطانوی سیاست دانوں کی لاتعلقی اور گول میز کانفرنس میں مسلمان مندوبین کی بے بسی سے آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے مخصوص مسائل صرف اسی خطے کے مسلمان سمجھ سکتے ہیں اور انہیں آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لیے اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل پیرا ہونا ہوگا ۔

مسلم لیگ کا اجلاس الہ آباد ۔ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی کانفرنس کی تجویز ابھی مکمل طور پر جامۂ عمل نہ پہن سکی تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد کی صدارت کے لیے علامہ اقبال کو دعوت دی گئی ۔ یہ وہ موقع تھا جب سائمن کمیشن اپنی سفارشات حکومت کو پیش کر چکا تھا ، پہلی گول میز کانفرنس کا آغاز ہو چکا تھا اور اس کے اجلاس منعقد ہو رہے تھے ، کانگرس ''نہرو رپورٹ'' کو اپنا چکی تھی اور کلکتہ اجلاس کے فیصلے کے مطابق مارچ ۱۹۳۰ سے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر چکی تھی ۔ مسلمانوں کی اکثر جماعتیں مسلم کانفرنس کی صدارت میں ''نہرو رپورٹ'' کے خلاف متحد ہو چکی تھیں اور انھوں نے مسلم کانفرنس کی قراردادوں کی صورت میں اپنے مطالبات متفقہ طور پر پیش کر دیے تھے ۔ ادھر علامہ اقبال شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کی کانفرنس کے لیے کوشش کر رہے تھے اور ہندوستان کے اس خطے میں مسلم اکثریت بیدار ہو رہی تھی ۔ اقبال محسوس کر چکے تھے کہ اب مسلمانوں کو واضح طور پر اپنا الگ راستہ اختیار کر لینا چاہیے — وہ راستہ جو آزادی کی منزل کی طرف جاتا ہو ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ کو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ تحریک آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ انداز بیان کی عمدگی ، خیالات کے تسلسل اور بلندی کے اعتبار سے سیاسی جلسوں کی تاریخ میں ایسے خطبے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں ۔

عالم اسلام کا سرمایہ ۔ اس فکر انگیز خطبے میں اقبال نے اپنے عہد کے تمام اہم ترین سیاسی ، سماجی اور مذہبی مسائل کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا ۔ سیاسی جد و جہد میں ناکامیوں کی بنا پر مسلمان شکستہ دل تھے ۔ اقبال نے دنیائے انسانیت میں ہندوستان کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مسلمانوں پر

زور دیا کہ وہ متحد ہو کر اس کی آزادی میں ہمہ تن کوشاں ہوں :

"ہندوستان کی غلامی تمام ایشیا کے لیے لامتناہی مصائب کا سرچشمہ ہے ۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے اور اسے اظہارِ ذات کی اس مسرت سے محروم کر دیا ہے جس کی بدولت کبھی اس میں ایک بلند اور شان دار تمدن پیدا ہوا تھا ۔ ہم پر ایک فرض ہندوستان کی طرف سے عائد ہوتا ہے جو ہمارا وطن ہے اور جس میں ہمیں جینا اور مرنا ہے اور ایک فرض ایشیا بالخصوص اسلامی ایشیا کی جانب سے ــ اور چونکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت ایک ہی ملک میں سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی اسلام کے لیے ایک بیش بہا سرمایہ ہے ، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہندوستان کے مسئلے پر محض اسلامی زاویۂ نگاہ ہی سے نہیں بلکہ ہندی مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بھی غور کریں ۔"

اتحاد ، تنظیم ، ایمان ۔ ہندوستان کی آزادی اور مسلم تہذیب و تمدن کے احیا کے لیے اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ باہمی اختلافات ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں :

"مسلمانانِ ہند اس وقت اپنی زندگی کے جس نازک دور میں سے گزر رہے ہیں اس کے لیے کامل تنظیم اور اتحاد عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے ۔ ہمارے ملی وجود کی بقا اور ہندوستان کا مفاد صرف اس امر سے وابستہ ہے ۔"

بدنظمی اور اختلافات کی بنا پر مسائل اُلجھتے چلے جا رہے تھے ۔ دوسری قومیں اس خامی سے فائدہ اُٹھا رہی تھیں ۔ مسلمان آزادانہ جد و جہد سے غافل ہو چکے تھے ۔ اقبال نے اُنھیں آزادانہ جد و جہد کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا :

"موجودہ نازک حالات کے تدراک کے لیے ہماری ملت کو مستقبل قریب ہی میں آزادانہ جد و جہد کرنا پڑے گی ۔ لیکن کسی سیاسی طرزِ عمل کے لیے آزادانہ جد و جہد کرنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو اور ان کے تمام عزائم و ارادے ایک ہی مقصد پر مرتکز ہو جائیں ۔"

یہ مقصد کیا ہونا چاہیے؟ اسلام ۔ اس نصب العین کو اپنا کر مسلمانوں نے ہمیشہ ناموافق حالات کا مقابلہ کیا ہے :

"ایک سبق جو میں نے تاریخِ اسلام سے سیکھا ہے یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا ۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی ۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے

زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قومیں از سرِ نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔''

اسلام — عالم گیر روحانی نصب العین ۔ اسلام ارفع و اعلیٰ ، کامل و اکمل نظامِ حیات ہے ۔ یہ ایک طرف انسانی عظمت کے لیے فطری اصول اور حقیقی معیار پیش کر کے نوعِ انسان کو مادی امتیازات سے نجات دلاتا ہے ، اس کی رُو سے رنگ ، نسل ، خون ، زبان اور وطن وغیرہ کی قیود بے معنی قرار پاتی ہیں اور دوسری طرف اسلام مذہب و سیاست وغیرہ کی تفریق کے تباہ کن اصول کا بھی مخالف ہے ۔ اس وقت انسانیت ان دو خرابیوں میں مبتلا ہو چکی ہے ۔ لہٰذا اس کا علاج صرف اسلام میں مضمر ہے :

''اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہنِ انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے ، جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ۔''

اقبال نے واضح کر دیا کہ اگر مسلمان کانگریس کے پیش کردہ متحدہ قومیت کے تصوّر کو اپنائیں گے تو اس طرح وہ اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالنے کے مرتکب ہوں گے ۔ متحدہ قومیت کا اصل الاصول یہ ہے کہ مذہب نجی معاملہ ہے ، جب کہ اسلام اس تصوّر سے بغاوت کرتا ہے :

''اسلام کے مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں ۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں ۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا ۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظامِ سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو جو اصولِ اتحاد کے منافی ہو ۔''

متحدہ قومیت کا فریب ۔ چونکہ مذہب مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ، اس لیے محض چند موہوم سیاسی و معاشی مفادات کی اُمید پر ان کے لیے اسلام کے اصولِ قومیت کو چھوڑ کر متحدہ قومیت کے سراب کے پیچھے بھاگنا فضول ہے ۔ دنیا کی ہر قوم مغربی تصوّرِ قومیت و وطنیت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکتی ہے ، لیکن اسلام اور مسلمانوں کا مطمعِ نظر چونکہ لامحدود ہے اس لیے اُنھیں مجبور کرنا کہ وہ اپنے اس امتیازی وصف سے دست بردار ہو جائیں صریحاً زیادتی ہے اور باعثِ فساد بھی ۔ اقبال کہتے ہیں :

''ہر وہ دستور جو اس تصور پر مبنی ہوگا کہ ہندوستان میں ایک ہی قوم بستی ہے یا جس کا مقصد یہ ہو کہ یہاں ان اصولوں کا نفاذ کیا جائے جو برطانیہ کے جذباتِ جمہوریت پسندی کا نتیجہ ہیں اس کا مطلب صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کو نادانستہ خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جائے ۔ جہاں تک میری سمجھ کام کرتی ہے ، اس ملک میں اس وقت تک امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس امر کو تسلیم نہ کر لیا جائے کہ ہندوستان کی ہر ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کیے بغیر جدید اصولوں پر آزادی کے ساتھ ترقی کرے ۔''

مسلمان ہی ایک قوم ہیں ۔ اقبال کے نزدیک ہندو متحدہ قومیت کا نعرہ تو لگا رہے ہیں لیکن وہ خود اس یک رنگی سے محروم ہیں جو ایک قوم بننے کے لیے ضروری ہے ۔ ذات پات کی تقسیم اور دیگر مادی امتیازات کو ترجیح دینے کی وجہ سے وہ خود قوم کہلانے کے مستحق نہیں ۔ اس کے لیے اُنھیں اپنے مذہب میں بعض بنیادی تبدیلیاں کرنا پڑیں گی ۔ اس کے برعکس مسلمان ایک قوم ہی نہیں بلکہ قوم کی تعریف کی رُو سے وہی صحیح معنوں میں ایک قوم ہیں ۔ معاشرتی یک رنگی کے علاوہ مقاصد کی ہم آہنگی بھی ان کے قومی وجود کے استحکام کا باعث ہے ۔ علامہ کہتے ہیں :

''ہماری تعداد سات کروڑ ہے اور ہم ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت کہیں زیادہ یک رنگ قوم ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم بستی ہے تو وہ صرف مسلمان ہی ہے ۔ اگرچہ ہندو ہر بات میں ہم سے آگے ہیں لیکن اب بھی ان کو وہ یک رنگی حاصل نہیں ہوئی جو ایک قوم بننے کے لیے ناگزیر ہے اور جو اسلام نے از خود آپ کو عطا کی ہے ۔ بے شک ہندو اس امر کے لیے مضطرب ہیں کہ وہ ایک قوم بن جائیں مگر قوموں کی ترکیب گویا ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا ہے اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام نظامِ معاشرت کو یک قلم بدل دیں ۔''

مسلم مملکت کا قیام ۔ کانگریس کا یہ نعرہ کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم بستی ہے سراسر مغالطہ آفرینی ہے ۔ کوئی بھی فیصلہ ملتِ اسلامیہ کے جداگانہ وجود کو تسلیم کیے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ انگلستان اور ہندوستان کے حالات بالکل مختلف ہیں ۔ اس لیے دونوں جگہ ایک ہی اصول پر اصرار غیر دانش مندانہ طرزِ عمل ہے ۔ ہندوستان کی حدود میں ایک قوم کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ علاقوں میں مرتکز ہونے اور اپنے تہذیبی

اصولوں کو آزمانے کے موقعے مہیا کیے جائیں ۔ صرف اسی صورت میں دونوں قومیں ایک دوسرے سے صحت مند مقابلہ کر کے اپنی اپنی برتری ثابت کر سکیں گی ۔ دوسرے لفظوں میں صرف اسی قوم کو غلبہ حاصل ہوگا جس کے اصولِ زندگی زیادہ جان دار اور فطری ہوں گے ۔ لہٰذا اگر متحدہ قومیت مطلوب ہے تو اس کا لائحہ عمل بھی یہی ہوگا کہ ہندوستان میں آزاد مسلم مملکت کے قیام کی راہ ہموار کی جائے :

"یہ امر کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان میں مغربی طرز کی جمہوریت کا نفاذ کیا جائے ۔ لہٰذا مسلمانوں کا مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے ۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرار دادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے ، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کیے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تا کہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان ممکنات کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لا سکیں ۔"

مسلم مملکت کا نصب العین ۔ اسلامی ہندوستان یا ہندوستان کے اندر مسلم مملکت کے قیام کے مطالبے کو مسترد کرنے کے لیے ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا کہ اس طرح مسلمان ایک ایسی مذہبی حکومت قائم کریں گے جس کا مقصدِ وحید غیر مسلموں کو ختم کرنا ہوگا ۔ نیز مسلمان اپنی ہمسایہ مسلم ریاستوں کی پشت پناہی سے مستقل طور پر ہندوستان کے امن کے لیے خطرہ بنے رہیں گے ۔ اقبال نے انتہائی ہوش مندی سے ان اشکالات بلکہ خدشات کا بھی جائزہ لیا ۔ آپ نے واضح کیا کہ مسلمان کسی قوم کے خلاف منافرت کے منفی جذبہ کی بنیاد پر الگ مملکت قائم کرنا نہیں چاہتے ، بلکہ وہ پُر امن اور مثبت طریقوں سے ان اصولوں پر عمل کرنا چاہتے ہیں جن پر ان کا ایمان ہے :

"اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو ۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے ۔"

نیز :

"رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ

کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر زور ڈالا جا سکے ۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانانِ ہندوستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں ۔ ان کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں لیکن یہ اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قوم پسند ہندو اربابِ سیاست محض اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لیے غلبہ حاصل ہو جائے ۔"

آپ نے واضح کیا کہ ایک منظم مسلم ریاست کا مطالبہ مثبت بنیادوں پر کیا جا رہا ہے ، ایک تو اس لیے کہ کوئی قوم دوسری قوم پر ناجائز غلبہ حاصل نہ کر سکے اور دوسرے اس لیے کہ کم از کم اسلام آزادانہ ماحول میں ترقی کر سکے :

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں ۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن ، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے ۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے ۔"

رہا یہ خدشہ کہ مسلمان ایک جنگجو قوم ہیں ، وہ متحد ہو کر پورے ہندوستان کے لیے خطرہ بن جائیں گے ، تو اقبال نے اس کی مدلل تردید کرتے ہوئے فرمایا :

"اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے حد سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشو و ارتقا میں آزادانہ قدم اُٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزورِ قوت ہو یا بزورِ خیالات ، ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے ۔"

جداگانہ انتخاب ۔ اس خطبے کا ایک اہم حصہ ہندوستان کی سیاسی تشکیلِ نو کے بارے میں ابھرنے والے مسائل سے بحث کرتا ہے ۔ اس ضمن میں دو مسئلے انتہائی اہم ہیں : (۱) مخلوط یا جداگانہ انتخاب ، (۲) وفاق یا وحدانی طرزِ حکومت ۔ علامہ اقبال ایسی وفاقی حکومت کے حامی تھے جس میں صوبائی

خود مختاری حاصل ہو اور جداگانہ انتخاب کو اختیار کیا گیا ہو ، نیز آبادی کے تناسب کی بنیاد پر نمائندگی کی ضمانت دی گئی ہو ۔ اس کے برعکس اب تک ہندوؤں یا انگریزوں کی طرف سے جو بھی خاکہ پیش کیا جاتا رہا اس میں مسلمانوں کے مفادات کو خاص طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تھی ۔ لہٰذا اقبال نے ضروری خیال کیا کہ ان معاملات کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات اور احساسات صاف طور پر پیش کر دیے جائیں ۔ علامہ نے مخلوط انتخاب کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا :

"ہندوؤں کا خیال ہے کہ جداگانہ انتخابات کا اصول قومیت کے منافی ہے ۔ ان کے نزدیک لفظ 'قومیت' کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے ۔ لیکن ہندوستان کی یہ حالت نہیں ، نہ ہم اس کے آرزومند ہیں ۔ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی ، ان کی بے حد مقروضیت (بالخصوص پنجاب میں) اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کر لیا جائے تو آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخابات کے لیے کیوں مضطرب ہیں ۔ ہندوستان ایسے ملک میں اور خاص طور سے ان حالات میں جو اس وقت یہاں ہیں اس امر کی توقع رکھنا کہ علاقہ وارانہ انتخابات سے ہر ملت کے مفاد کی پوری پوری نمائندگی ہو سکے گی ، ناممکن ہے ، سوائے اس کے کہ تمام اقلیتوں پر ہندوؤں کا تغلب قائم ہو جائے گا ۔ لیکن اگر صوبوں کی تقسیم کسی ایسے اصول کے ماتحت عمل میں آ جائے کہ صوبے کے اندر تقریباً ایک ہی طرح کی ملتیں بستی ہوں اور ان کی نسل ، ان کی زبان ، ان کا مذہب اور ان کی تہذیب و تمدن ایک ہو تو مسلمانوں کو مخلوط انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا ۔"

وفاقی طرزِ حکومت ۔ برطانوی سیاست دانوں نے ایسی فیڈریشن کی تجویز پیش کی جس سے ان کا اقتدار قائم رہ سکے اور دوسری طرف ہندو رہنماؤں نے وحدانی نظام کو ترجیح دی کیونکہ صرف اسی صورت میں ان کو غلبہ حاصل ہو سکتا تھا ۔ اقبال نے دونوں طرزِ فکر کی اصلیت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے فرمایا :

"جہاں تک حقیقی فیڈریشن کا تعلق ہے سائمن رپورٹ کی تجاویز نے اس کی پوری پوری نفی کر دی ہے ۔ نہرو رپورٹ نے محض اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ مرکزی مجلسِ وضعِ قوانین میں ہندوؤں کی اکثریت ہے وحدتی نظام کی

سفارش کی کیونکہ اس سے تمام ہندوستان پر بآسانی ہندوؤں کا تغلب قائم ہو جاتا ہے ۔ سائمن رپورٹ نے محض ایک لفظی فیڈریشن کی اسکیم پیش کی ہے جس کی تہ میں برطانیہ کا اقتدار بدستور قائم رہے گا ۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ انگریز طبعاً اس اقتدار سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتے جو اُنھیں حاصل ہو رہا ہے ، اور کچھ یہ کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ نہ ہو سکا تو ان کو ہندوستان پر مستقلاً اپنا قبضہ رکھنے کے لیے ایک اچھا عذر مل جائے گا ۔ میں تو اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں وحدتی حکومت قائم ہو ۔ جن اختیارات کو فاضل (Residuary) کہا جاتا ہے وہ صرف آزاد ریاستوں کو ملنے چاہییں ۔ مرکزی فیڈرل ریاست کے ذمے صرف ایسے اختیارات رہنے چاہییں جو تمام فیڈرل ریاستیں بطیب خاطر اس کے سپرد کر دیں ۔ میں مسلمانانِ ہند کو کبھی رائے نہیں دوں گا کہ وہ کسی ایسے نظامِ حکومت سے خواہ وہ برطانوی ہو یا ہندی اظہارِ اتفاق کریں جو حقیقی فیڈریشن کے اصول پر مبنی نہ ہو یا جس میں ان کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم نہ کیا جائے ۔"

دو اہم ترین مطالبے ۔ مسائل کی پیچیدگی ، مخالفِ اسلام قوتوں کی عیاری اور مسلمانوں کی سادگی کے پیشِ نظر علامہ اقبال نے ضروری خیال کیا کہ وہ دو ٹوک الفاظ میں مسلمانوں کے آئندہ لائحۂ عمل کو واضح کر دیں ۔ آپ نے "میثاقِ لکھنو" اور یونینسٹ پارٹی کے مسلم رہنماؤں کی غلطیوں کے حوالے سے مسلمانوں کو زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت کی اور فرمایا :

"ہمارا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے کے لیے برطانوی ہندوستان میں صوبوں کی تقسیم از سرِ نو ہو جائے ، لیکن اگر مسلمانوں کا مطالبہ مسترد کر دیا جائے تو پھر میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان مطالبات کی تائید کروں گا جن کا اعلان آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں بار بار کیا گیا ہے ۔ مسلمانانِ ہندوستان کسی ایسی آئینی تبدیلی کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے جس کے ماتحت وہ بنگال اور پنجاب میں جداگانہ انتخابات کے ذریعے اپنی اکثریت حاصل نہ کر سکیں یا مرکزی مجلس میں اُنھیں تینتیس فی صد نشستیں نہ مل جائیں ۔ اب تک مسلمانوں کے سیاسی رہنما دو گڑھوں میں گر چکے ہیں ۔ پہلا گڑھا لکھنو کا مسترد شدہ میثاق ہے جسے قومیتِ ہند کے غلط تصور پر مرتب کیا گیا تھا اور جس کے ماتحت مسلمان ان تمام مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ اس ملک میں کوئی سیاسی طاقت پیدا کر سکیں ۔ دوسرا گڑھا پنجاب کی نام نہاد دیہاتی آبادی کی خاطر اسلامی اتحاد و اتفاق کی وہ عاقبت نا اندیشانہ قربانی ہے جس کا اظہار ایک ایسی تجویز میں ہوا ہے جس سے پنجاب کے مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں ۔ لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور

تجویز دونوں کی مذمت کرے ۔"

اس خطبے کے گہرے اور تفصیلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اسلام اور مسلمانوں کے مسائل پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے ۔ جس زمانے میں اکثر مسلم سیاست دان کسی راہِ نجات کی تلاش میں سرگرداں تھے علامہ اقبال نے مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کی نشان دہی اور راستے کی تعیین کر دی تھی ۔ ان کی بصیرت پر جو حقائق منکشف ہو چکے تھے ان کی بتدریج آگہی نے ہی مسلمانانِ برِصغیر کے مستقبل کی تشکیلِ نو کی تھی ۔

علامہ اقبال جان چکے تھے کہ مسلم قومیت اور کانگریس کی متحدہ قومیت میں بُعد المشرقین ہے ۔ مسلم قومیت کی بنیاد ایمان پر اور امتیازات کی نفی پر استوار ہے ۔ اسلام اور متحدہ قومیت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ متحدہ قومیت کا نظریہ بنی نوعِ انسان کی تقسیم مادی بنیادوں میں عمل میں لانے کا داعی ہے ۔ اس میں مذہبی عقاید کو ثانوی حیثیت حاصل ہے ۔ اس طرح متحدہ قومیت کے تصوّر کی دوسری خرابی یہ سامنے آتی ہے کہ اس میں دین و دنیا کی تفریق پر زور دیا جاتا ہے ۔ اس کے برعکس اسلام میں دین و دنیا کی تفریق بے معنی قرار پاتی ہے ۔ وہ اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبے انہی اصولوں کے مطابق تعمیر کریں جن کی صراحت قرآن و سنت نے کر دی ہے ۔

مسلم قومیت کے اثبات کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ مسلمان ایک الگ قوم ، اُمت یا ملت ہیں ۔ یہ ان کا فطری حق ہے کہ وہ اپنی حیاتِ اجتماعی ان ہمہ گیر اور ابدی حقائق پر تعمیر کریں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں ۔ دنیا کی کوئی قوت اور اصول مسلمانوں کو اس حق کے حصول کی جد و جہد سے باز نہیں رکھ سکتا ، خواہ مغربی جمہوریت ہو ، حکومت برطانیہ ہو یا انڈین نیشنل کانگریس ۔ مسلمان کسی کے فریب میں نہیں آئیں گے اور نہ کسی کے سامنے جھکیں گے ۔ وہ یقیناً آزادانہ طور پر اپنا لائحۂ عمل متعین کریں گے اور اسی میں ان کی نجات ہے ۔

ہندو اور انگریز دونوں بظاہر مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں قوتیں مسلمانوں کو بے دست و پا کر کے اُنھیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی سیاسی جد و جہد میں ہوش مندی کا ثبوت دیں ۔ کسی مخالف قوت کی مکاری اور

ریشہ دوانی کا شکار نہ ہوں ۔ مخالف قوتوں کی سیاسی چالوں سے ہر لمحہ ہوشیار رہیں اور اپنی منزل کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں ۔ حکمت و دانائی اور مستقل مزاجی سے ان سازشوں کا مقابلہ کرتے چلے جائیں ۔

ہندوستانی مسلمان عالمِ اسلام کا سرمایہ ہیں ۔ ان کی آبادی کی اکثریت عالمِ اسلام کی قوت کا سرچشمہ ہے ۔ ان کی سیاسی جد و جہد دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذباتِ آزادی کے لیے تقویت کا باعث ہے ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اہمیت سے آگاہ رہیں ۔ پورے ایشیا کی نظریں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں ۔ ان کی کمزوری اور غفلت شعاری مسلمانانِ عالم پر بری طرح اثر انداز ہوگی ۔ اب ''لکھنو پیکٹ'' یا یونینسٹ پارٹی کی مصلحت پسندی کا دور گزر چکا ہے ۔ اب ان غلطیوں کے اعادے کا وقت نہیں ۔ آزادی کی جد و جہد فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے ۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کے بجائے ہندو مسلم مفاہمت پر زور دینا چاہیے ، لیکن یہ مفاہمت اس اصول پر ہوگی کہ مسلمانانِ ہندوستان ایک الگ قوم ہیں ۔

مسلم ہندوستان کا مطالبہ کسی خاص قوم یا ملک کے خلاف جارحیت کا پیش خیمہ نہیں جیسا کہ کانگریس کی طرف سے بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا ۔ مسلمانوں کو اپنی تہذیبی و تمدنی ترقی کے لیے ایک خود مختار مرکز کی ضرورت ہے جہاں وہ اسلام کی ابدی اقدارِ حیات کو رائج کر کے دنیا بھر کے سامنے عدل ، امن ، خوش حال اور اجتماعی فلاح کا نمونہ پیش کر سکیں ۔ گویا یہ ایک جمہوری عمل ہوگا ۔ جس طرح دوسری تہذیبوں کو جمہوری بنیادوں پر ترقی کرنے اور دوسروں پر برتری ثابت کرنے کا حق حاصل ہے ، اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے ۔ وہ ایک ایسی تہذیب کے مالک ہیں جو ترقی کے بے پناہ امکانات مضمر رکھتی ہے ۔ یہ امکانات اپنی اصل صورت میں صرف اسی وقت اُبھر سکتے ہیں جب ملتِ اسلامیہ ہر قسم کے بیرونی غلبہ و تسلط سے آزاد ہوگی ۔

ان وجوہ کی بنا پر اگر مسلمانانِ ہندوستان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جداگانہ طریقِ انتخاب کو اپنایا جائے یا تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم عمل میں لائی جائے اور حقیقی وفاقی طرزِ حکومت کے اصول کو اختیار کیا جائے اور مرکز میں مسلمانوں کو موثر نمائندگی دی جائے ، تو وہ بالکل حق بجانب ہیں اور ہندوستان کے مستقبل کا انحصار اکثر و بیشتر برطانیہ اور کانگریس کے اُس رویے پر ہے جو وہ ان مطالبات کے سلسلے میں اختیار کریں گے ۔

مسلمان اب تک جذباتی اور غیر سنجیدہ سیاست میں مصروف رہے ہیں یا ان کی قوتیں متضاد و متخالف رخ پر چلتے چلتے شل ہو چکی ہیں ۔ اُنھیں چاہیے کہ وہ غلبۂ اسلام کو منزل بنائیں ، ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور متحدہ جد و جہد کا آغاز کریں ۔ یہی وہ اصول ہے جس کی مدد سے وہ اپنی منزلِ مقصود سے ہم کنار ہو سکتے ہیں ۔

اب تک کے سیاسی سفر سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام میں شمالی ہندوستان میں واقع صوبوں کو اہم کردار ادا کرنا ہے ۔ اس لیے ہندوستان کے اس حصے میں آباد مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مسائل کا خود تجزیہ کریں اور ان کے حل کے لیے اپنے بل بوتے پر جد و جہد کا آغاز کریں تا کہ اکثریتی علاقوں کے مسلمان اگر کسی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکیں تو اُن کے حوصلے پست نہ ہوں ۔ کم از کم وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ، ان منافع سے محروم نہ رہیں جو مستقبل قریب میں ہندوستان کی آزادی و خود مختاری کی صورت میں اُنھیں حاصل ہونے والے ہیں ۔

یہی وہ حقائق ہیں جو علامہ اقبال کی بصیرت پر بے نقاب ہو چکے تھے ۔ جب یہ خطبہ دیا گیا اس وقت اس پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی مگر اُنھوں نے پوری درد مندی اور خلوص سے اپنی بقیہ عمرِ عزیز کے قیمتی لمحے انھی حقائق پر توجہ دلانے میں صرف کر دیے ۔ گول میز کانفرنس کے مباحث ہوں یا آل انڈیا مسلم کانفرنس کا خطبۂ صدارت ، مسلم لیگ کے سربراہ قائد اعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت ہو یا پنڈت جواہر لال نہرو سے مذکرات ، نجی گفتگوئیں ہوں یا اخباری بیانات — ان سب میں اقبال انھی حقائق پر زور دیتے رہے ۔ اقبال کی بے لوث اور مسلسل کوششوں کے نتیجے میں مسلمانانِ ہندوستان کی توجہ ان حقائق پر مرتکز ہو گئی ۔ آہستہ آہستہ آل انڈیا مسلم لیگ بھی ان خطوط پر اپنا لائحۂ عمل ترتیب دینے پر آمادہ ہو گئی ۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو جب لاہور کے منٹو پارک (اقبال پارک) میں مسلمانوں کے عظیم الشان تاریخی اجتماع نے "قرار دادِ پاکستان" منظور کی تو ان کے سامنے وہی منزل تھی جس کی طرف علامہ اقبال نے دس گیارہ سال پیشتر اشارہ کیا تھا ۔

علامہ اقبال نے مسلمانوں کی صرف فکری ہی رہنمائی نہیں بلکہ اُنھیں مسلم لیگ کو فعال بنانے اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں متحد و منظم ہونے کی دعوت بھی دی ۔ علامہ اقبال نے صحیح کام کے لیے صحیح آدمی کی نشان دہی کی ۔ لوگوں نے قائدِ اعظم کی قیادت کو قبول کر لیا اور مسلم لیگ

کے جھنڈے تلے متحد ہو کر حرکت و عمل کا عظیم منظم مظاہرے کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو دنیا کے نقشے پر ''پاکستان'' نام کی آزاد اور خود مختار مسلم مملکت نمودار ہوگئی ۔ علامہ اقبال کی یہی وہ خدمات تھیں جن کا اعتراف و اقرار خود کاروانِ حریت کے سالار قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کیا ۔ ۱۹۴۲ میں ان کے نام علامہ اقبال کے خطوط کا مجموعہ شائع ہوا تو اُنھوں نے اقبال کی مساعیٔ جمیلہ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا :

''اقبال کے نظریات میرے نظریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ تھے ۔ ہندوستان کو در پیش آئینی و دستوری مسائل کے محتاط جائزے اور مطالعے کے بعد میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا جس پر اقبال ازیں پیشتر پہنچ چکے تھے ۔ یہی وہ نظریات تھے جو مسلمانانِ برِصغیر کی متحدہ خواہش کی صورت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور کی اس قرارداد کے روپ میں منصۂ شہود پر آئے جسے عرفِ عام میں 'قراردادِ پاکستان' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو منظور ہوئی ۔''

ماخذ

اردو

لطیف احمد شروانی ، ''حرفِ اقبال'' ، لاہور ، ایم ثناء اللہ خاں ، جنوری ۱۹۶۱ ۔

محمد احمد خاں ، ''اقبال کا سیاسی کارنامہ'' ، لاہور ، المشرق پبلشرز ، سنِ طباعت نامعلوم ۔

چودھری محمد علی ، ''ظہورِ پاکستان'' ، لاہور ، مکتبۂ کاروان ، سنِ طباعت نامعلوم ۔

شیخ عطاء اللہ ، مرتب ، ''اقبال نامہ (مجموعۂ مکاتیبِ اقبال)'' ، لاہور ، شیخ محمد اشرف ، حصہ دوم ، ۱۹۵۱ ۔

محمد رفیق افضل ، مرتب ، ''گفتارِ اقبال'' ، لاہور ، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان ، ۱۹۶۹ ۔

انگریزی

W.W. Hunter, *The Indian Mussalmans*, Calcutta, Comrade Publishers, 1945

B. Pattabhai Sitaramayyah, *History of the Indian National Congress*, Bombay. Padma Publications, 1961

Struggle for Independence, 1857-1947, Karachi, Pakistan Publications, 1958

Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Sub-continent*, London, Mouton & Co, 1962

Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Struggle for Pakistan*, University of Karachi, 1969

Letters of Iqbal to Jinnah, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1943

Parveen Feroze Hasan, *The Political Philosophy of Iqbal*, Lahore, Publishers United, 1970

S.A. Vahid, *Studies in Iqbal*, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1967

www.Iqbal.Net
All rights reserved.
©2002-2006